© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

امریکہ میں دعوت اسلامی

امکانات، اہداف اور مشکلات

خورشید احمد

جولائی ۱۹۹۸ کا بیشتر حصہ مدیر ترجمان القرآن نے امریکہ کے دعوتی دورے میں گزارا اور یہ اشارات کیلیفورنیا، آرنج کونٹی میں دوران سفر سپرد قلم کیے جا رہے ہیں۔ اسی مناسبت سے امریکہ میں دعوت اسلامی سے متعلق چند مباحث کو موضوع گفتگو بنایا جا رہا ہے۔ گو اصل موضوع امریکہ میں دعوت اسلامی ہے، لیکن آج پاکستان اور پوری امت مسلمہ کو جو چیلنج درپیش ہیں، ان کا ان مباحث سے براہ راست تعلق ہے۔

امریکہ کا یہ دورہ خاصے عرصے کے بعد ہو رہا ہے، جس نے تازہ ترین صورت حال کو سمجھنے اور دیکھنے کا مفید موقع فراہم کیا ہے۔ گذشتہ تیس برسوں میں مجھے اس سرزمین پر پندرہ بیس مرتبہ آنے کا اتفاق ہوا ہے۔ آخری دورہ کئی سال پہلے واشنگٹن میں ایک عالمی کانفرنس میں شرکت کے لیے ہوا تھا۔ جس کے بعد صحت کی خرابی اور دوسری ذمہ داریوں کی وجہ سے بار بار کے تقاضوں اور دعوت ناموں کے باوجود، اس طرف آنا ممکن نہ ہوا۔ شمالی امریکہ کے حلقہ اسلامی (ICNA)، شمالی امریکہ کی اسلامی سوسائٹی (ISNA)، مسلمان سوشل سائنس دانوں کی تنظیم (Association of Muslim Social Scientists) اور عالمی ادارہ فکر اسلامی (International Institute of Islamic Thought) سے الحمدللہ میرا قریبی تعلق رہا ہے اور ماضی میں ان کے اہم پروگراموں میں شرکت کرتا رہا ہوں۔ اس بار خاصے وقفے کے بعد شریک محفل ہوا۔

امریکی فنانس ہاؤس لاربا (American Finance House - La Riba) نے اپنا اس سال کا ایوارڈ، جو اسلامی معاشیات اور مالیات کے بارے میں خدمات کے اعتراف میں گذشتہ پانچ برسوں سے دیا جا رہا ہے، مجھے دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس ایوارڈ کو وصول کرنے کی تقریب یہاں پاسادینا (Pasadena) کیلیفورنیا میں ۱۱ جولائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو منعقد ہوئی۔ اس سے ایک ہفتہ پہلے اکنا (ICNA) کا تیئسواں سالانہ کنونشن پٹزبورگ کے مقام پر ۳ تا ۵ جولائی منعقد ہوا جس کا اس سال کا موضوع "خاندان کی بازیافت" (Rediscovering Family) تھا۔ اس میں مجھے تین تقاریر کا موقع ملا۔ نیویارک' آرنج کونٹی اور سان ہوزے میں مسلم آبادیوں کے اجتماعات سے خطاب کی سعادت نصیب ہوئی۔ درجنوں ساتھیوں اور احباب سے تبادلہ خیال کا موقع ملا۔ آخری پروگرام ہوسٹن میں منعقد ہوا جو اسلامی مالیات پر امریکہ میں پہلی عالمی کانفرنس میں شرکت اور کلیدی خطاب تھا۔ یہ کانفرنس ایسوسی ایشن آف مسلم سوشل سائنٹسٹ' رائس یونی ورسٹی اور اسلامی ترقیاتی بنک کے مشترک اہتمام میں منعقد ہوئی۔ اس میں معاشیات و بنک کاری کے ماہرین کے علاوہ فنانس اور بنک کاری سے متعلق اعلیٰ سطح کے مسلمان اور غیر مسلم افسروں (executives) نے بھی بڑے پیمانے پر شرکت کی۔

امریکہ میں یہ مصروف اٹھارہ دن' اس پہلو سے بڑے مفید رہے کہ یہاں تحریکی ساتھیوں اور مسلم کیمونٹی کے ہر سطح اور ہر مکتب خیال کے دوستوں سے ملنے اور تبادلہ خیال ہوا اور تازہ ترین صورت کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ فطری طور پر اس پورے عرصے میں غوروفکر اور بحث و گفتگو کا موضوع امریکہ میں دعوت اسلامی اور اس کو درپیش چیلنج رہا۔ البتہ پاکستان کے ایٹمی دھماکے اور معاشی پابندیوں کے موضوع بھی تقریباً ہر کانفرنس اور ہر محفل میں زیر بحث آئے اور الحمدللہ ان کے بارے میں تحریک اسلامی اور پاکستان کی پوزیشن کو واضح کرنے کا مفید موقع ملا۔ لاس اینجلز ٹائمز کی اکنامک ایڈیٹر سے ۱۱ جولائی کی تقریب میں نہایت مفید گفتگو ہوئی۔ نیز اسلامی اور بلاسود بنک کاری اور اس کے مسائل مسلسل بحث و گفتگو کا موضوع رہے۔

آج اگر ایک طرف وہ ۵۶ آزاد مسلمان ملک ہیں جن میں تقریباً ۹۰ کروڑ مسلمان بستے ہیں اور وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی اسلامی خطوط پر تشکیل نو کے لیے کوشاں ہیں تو دوسری طرف ۸۵ مسلمان آبادیاں ہیں جن کی مجموعی آبادی ۴۰ کروڑ ہے۔ اپنے ملک میں خواہ اقلیت میں ہوں لیکن وہ بھی اپنے اپنے طور پر اسلامی زندگی کی تشکیل و تعمیر کے لیے مسلسل جدوجہد میں مصروف ہیں ___ اس وجہ سے امریکہ کے حالات پر گفتگو دراصل امت مسلمہ کے ایک بڑے حصے کے حالات اور مسائل کو سمجھنے اور مستقبل کی راہیں تلاش کرنے میں مددگار ہوسکتی ہے۔

امریکہ کی خصوصی اہمیت کئی وجوہ سے ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز تک امریکہ ایک علاقائی طاقت تھا اور اس کی دلچسپی کا اصل دائرہ براعظم امریکہ یعنی شمال میں کینیڈا اور وسطی اور جنوبی امریکہ کے ممالک اور جزائر تک محدود تھا۔ اس فکر کا عکاس وہ نظریہ تھا جسے نظریہ منرو (Monroe Doctrine) کہتے ہیں یعنی شمالی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جنوبی اور وسطی امریکہ پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ (USA) کو بالادستی حاصل ہے' یہاں کوئی دراندازی نہ کرے اور باقی علاقوں سے امریکہ کو چنداں دلچسپی نہیں۔ ۱۸۹۸ میں امریکہ اور اسپین کے درمیان جنگ (Spainish - American War) اس حصار کو توڑنے اور امریکہ کے عالمی کردار کا آغاز کرنے کا باعث ہوئی۔ ہوائی (Hawai) تو امریکہ کا حصہ بن گیا اور فلپائن آزاد ہو کر بھی دام میں گرفتار رہا۔ البتہ اب یورپ اور پھر ایشیا آہستہ آہستہ امریکہ کی جولاں گاہ بن گئے۔

پہلی عالمی جنگ کا فیصلہ امریکہ کے ساڑھے تین لاکھ فوجیوں کی جنگ میں عملی شرکت سے ہوا اور یورپ کی سیاست پر امریکہ کی قوت کے بادل چھا گئے۔ پھر دوسری جنگ میں پرل ہاربر پر جاپانی حملے نے امریکہ کو جنگ میں عملاً شریک بنا دیا۔ اس نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرانے کا "کارنامہ" انجام دیا۔ اس سے دوسری جنگ کے اختتام تک دنیا کا سیاسی نقشہ تبدیل ہو گیا۔ یورپی اقوام جو پچھلے پانچ سو سال تک یورپ اور باقی دنیا پر حکمران تھیں اور علاقائی اور عالمی قوتوں کا رول ادا کر رہی تھیں' منقار زیر پر ہو گئیں' چین اور جاپان جو ایشیا کی قوتوں کی حیثیت سے ابھر رہی تھیں محکوم اور مغلوب ہو گئیں اور دو نئی عالمی طاقتیں دنیا پر چھا گئیں' یعنی امریکہ اور روس۔ پچاس سالہ سرد جنگ کے بعد اور جہاد افغانستان کی آخری ضرب کے نتیجے میں روس کی قوت منتشر ہو گئی' مشرقی یورپ اور وسطی ایشیا اس کے چنگل سے آزاد ہو گئے اور امریکہ دنیا کی واحد سوپر پاور بن کر سامنے آیا۔

امریکہ کے عالمی رول کا اگر گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس میں دو چیزیں نمایاں نظر آتی ہیں: ایک سیاسی اور معاشی غلبہ و استیلا جو تمام ہی سامراجی قوتوں کا خاصہ رہا ہے' اور دوسرے ایک نظریے اور پیغام کی علم برداری' جس میں تمام سامراجی طاقتوں کا کردار ایک سا نہیں رہا۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد امریکہ نے جمہوریت کی ترویج' قوموں کے حق خود ارادیت کی تائید اور ایسے عالمی اداروں کے قیام کی آواز اٹھائی جو عالمی امن کی ضامن ہوں اور بین الاقوامی قانون کے احترام کا ذریعہ بن سکیں۔ صدر ووڈرو ولسن کے چودہ نکات اور لیگ آف نیشنز کا تصور اسی امریکی پیغام کے عکاس تھے۔ لیکن بہت جلد خود امریکہ میں ووڈرو ولسن کی تائید کمزور پڑ گئی' لیگ آف نیشنز کا سب سے بڑا علم بردار اور موید ہونے کے باوجود امریکہ اس کا ممبر نہ بنا۔ یورپ میں جمہوریت نہیں بلکہ آمریت کی فتح کے دور کا آغاز ہوا اور کمیونزم اور فاشزم کی شکل میں بدترین آمرانہ نظام وجود میں آئے۔

امریکہ ایک بہت بڑی معاشی قوت تھا۔ پہلی جنگ کے بعد دنیا کی کل پیداواری دولت (GDP) کا ۳۳ فی صد صرف امریکہ میں تھا جبکہ امریکہ کی آبادی کبھی بھی' دنیا کی آبادی کے ۶ فی صد سے زیادہ نہ تھی۔ امریکہ کے سیاسی اثرات کی بنیاد اس کی معاشی قوت تھی لیکن بڑی جنگوں کے درمیان بڑے شان دار آغاز کے باوجود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امریکہ کا سیاسی کردار محدود رہا۔ دوسری جنگ کے بعد صورت حال مختلف تھی۔ یورپ کی تمام روایتی طاقتیں پژمردہ اور مضمحل تھیں۔ امریکہ نے دونوں جنگوں میں فیصلہ کن شرکت تو ضرور کی مگر خود میدان جنگ کبھی نہیں بنا۔ اس لیے اس تباہی سے محفوظ رہا جو جنگ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ قصہ مختصر یورپ اور ایشیا میدان جنگ تھے اور تباہ حال۔ روس بھی فتح کے باوجود زخم خوردہ تھا مگر امریکہ بہت زیادہ تازہ دم رہا۔ اس لیے دوسری جنگ کے بعد اس کا عالمی کردار برابر بڑھتا گیا۔ اس دور میں بھی اس نے ایک نظریاتی پوزیشن اختیار کی اور امریکہ اور روس کی سرد جنگ نظریاتی سطح پر سرمایہ دارانہ جمہوریت اور اشتراکی آمریت کی جنگ بن گئی۔

سرمایہ داری' منڈی کی معیشت کی بالاتری (superiority)' انسانی حقوق' آزادی اور جمہوری اداروں کی خوبیاں موضوع بحث رہے اور اس طرح سیاسی بالادستی کی لڑائی کا ایک نظریاتی آہنگ بھی رہا۔ افغانستان میں روس کی شکست کے بعد منتشر اور غیر موثر ہو جانے کے بعد امریکہ کے اہل علم اور حکمت عملی ساز اداروں نے دنیا کو یہی نعرہ دیا کہ اب لبرل ڈیموکریسی کو آخری بالادستی حاصل ہو گئی ہے' مارکیٹ کی معیشت ہر مسئلے کا حل ہے اور امریکہ کو دنیا کے دوسرے نظاموں پر نظریاتی فتح حاصل ہوئی ہے۔ فرانسس فاکویاما اور سیموئیل ہنٹنگ ٹن اس کے سب سے بڑے مبلغ تھے۔ امریکہ کی حکومت نے جارج بش ہی کی صدارت میں اپنے نئے عالمی نظام (New World Order) کو شہ تاج کی حیثیت دے ڈالی' اور بیسویں اور اکیسویں صدی کو امریکہ کی صدی قرار دے دیا گیا۔ امریکہ کا ایک مشہور اور بااثر سیاسی قلم کار مارٹی میر زوکرمن (Mortimir Zuckerman) جو یو - ایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ کا چیف ایڈیٹر اور دی نیویارک ڈیلی نیوز کا ناشر اور چیئرمین ہے' وہ مشہور رسالہ فارن افیئرز (Foreign Affairs) کے مئی-جون ۱۹۹۸ کے شمارے میں A Second American Century کے عنوان سے رقم طراز ہے اور ہمیں اس نتیجے پر پہنچانا چاہتا ہے کہ :

> سانویں صدی فرانس کی تھی' انیسویں برطانیہ کی' اور بیسویں امریکہ کی۔ ۲۱ ویں بھی امریکہ کی ہو گی (ص -۳۱)

اس وقت دنیا کی کل پیداوار میں امریکہ کا حصہ ۲۵ فی صد ہے جو اگلے ۱۲ سال (۲۰۱۰) میں ایک اندازے کے مطابق' کم ہو کر ۲۰ فی صد رہ جائے گا لیکن پھر بھی کل دنیا کی پیداوار کے پانچویں حصے پر قابض ہونے کے باعث' امریکہ توقع رکھتا ہے کہ اگلی صدی میں بھی اس کی سب سے بڑی معاشی قوت کی حیثیت برقرار رہے گی۔ معیشت کے ساتھ ساتھ ثقافت اور تہذیب و تمدن کے میدان میں بھی وہ دنیا پر چھایا ہوا ہے۔ لباس میں جینز' کھانوں میں میکڈونلڈ' پیزاہٹ (pizzahut)' مشروبات میں کوکا کولا اور پیپسی اور فلمی میدان میں ہالی ووڈ اور والٹ ڈزنی اسی عالمی غلبے کی علامت ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ نیوکلیر استعداد پر اجارہ داری' حقوق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے باب میں چودھراہٹ اور ایک تازہ امریکی قانون کے تحت مذہبی تفریق کے الزام پر دنیا کے دوسرے ممالک پر معاشی پابندیاں لگانے کا اختیار، نیز منشیات اور تشدد و دہشت گردی کے نام پر دنیا کے دوسرے ممالک پر امریکی قوانین زبردستی نافذ کرنے کا زعم اور منصوبہ ---- یہ سب چیزیں پوری دنیا پر ایک عالمی طاقت کی بالادستی کو بدستور قائم رکھنے کے منصوبوں کا حصہ ہیں۔ بلاشبہ امریکہ کے حکمرانوں کا ہدف امریکہ کو واحد اور ناقابل چیلنج عالمی قوت کے طور پر برقرار رکھنا ہے۔ امریکہ کے قومی سلامتی کے سابق مشیر اور جان ہاپکن یونی ورسٹی کے پروفیسر زبگنیو برزنسکی نے اپنی تازہ ترین کتاب میں اسے بڑے کھلے لفظوں میں بیان کیا ہے:

مختصر یہ کہ امریکہ کی پالیسی کا ہدف کسی معذرت کے بغیر دو طرفہ ہونا چاہیے۔ اول: امریکہ کی غالب حیثیت کو کم سے کم ایک نسل اور ترجیحاً اس سے بھی زیادہ کے لیے برقرار رکھنا، اور دوم: ایک ایسی جغرافیائی سیاسی صورت حال پیدا کرنا جو سیاسی اجتماعی تبدیلیوں کے دھچکوں اور تناؤ کو جذب کرے اور ساتھ ہی دنیا کے پرامن انتظام کے لیے مشترکہ ذمہ داری کی جغرافیائی سیاسی بنیاد بنے۔

The Grand Chessboard: American Primacy and Geostrotic Imperatives)

برزنسکی، Beni Books نیویارک ۱۹۹۷، ص ۲۱۵)

اس سلسلے میں پروفیسر برزنسکی عسکری اور معاشی قوت کے ساتھ این جی اوز اور ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کے عالمی جال اور ہالیووڈ کلچر کی عالمی یلغار کو بے حد ضروری سمجھتے ہیں۔ نیز اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ یورپ اور ایشیا سے کوئی مقابلے کی قوت نہ ابھرنے پائے۔ یعنی:

یہ لازمی ہے کہ یورپ اور ایشیا سے اب کوئی چیلنج سامنے نہ آئے جو یورپ اور ایشیا پر غلبہ حاصل کرنے، اور اس طرح امریکہ کو چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ (صفحہ xiv)

تب ہی وہ بات ممکن ہو سکے گی جسے اس ساری تگ و دو کا حاصل اور اس کتاب کا ٹیپ کا بند کہا جا سکتا ہے:

"Geostatic success in that case would represent a fitting legacy of America's role is the first only last truely global power. (p 215)

اس لحاظ سے مکمل کامیابی، واحد اور اول و آخر حقیقی عالمی قوت ہونے کی حیثیت سے امریکہ کے کردار کا قرار واقعی اظہار ہو گا۔ (ص ۲۱۵)

یہ تو ہیں امریکی قیادت کے عزائم! لیکن دیکھنے کی ضرورت یہ ہے کہ اس وقت دنیا کو جو چیلنج درپیش ہیں، کیا فی الحقیقت اس حکمت عملی سے ان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے؟ گذشتہ دس سال میں منڈی کی معیشت کی ایسی کمزوریاں ایک بار پھر کھل کر سامنے آ گئی ہیں، جو سوچنے سمجھنے والے دماغوں کو مضطرب کیے ہوئے ہیں اور وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی ایسے نظام کی تلاش میں سرگرداں ہیں جو منڈی کی معیشت کے مثبت پہلوؤں کی حفاظت کرتے ہوئے اس کے نتیجے میں رونما ہونے والے مسائل یعنی بڑھتی ہوئی معاشی ناہمواریوں، علاقائی اور عالمی امیروں کا امیر تر اور غریبوں کا غریب تر ہوتے چلے جانا، مالیاتی عدم استحکام کا تدارک ہو سکے۔ دنیا کے مالیاتی نظام عدم استقرار (unstability) کا شکار ہیں اور یہ دنیا کے بڑے بڑے ملکوں کی معیشت کو تہ و بالا کر رہا ہے۔ میکسیکو چار برس پہلے، فرانس اور برطانیہ دو برس پہلے اور جاپان، کوریا، انڈونیشیا، فلپائن، تھائی لینڈ، ملائیشیا ایک برس سے اس تجربے سے گزر رہے ہیں۔ آئی ایم ایف کی دوا غیر موثر ہو گئی ہے۔ قرضوں کا بار بڑھ رہا ہے۔ خود امریکہ ۵ ہزار بلین ڈالر سے زیادہ کا مقروض ہے۔ ترقی پذیر ملکوں کا قرضہ ۲ ہزار ۲ سو بلین ڈالر سے بڑھ گیا ہے اور ہر سال صرف سود کی شکل میں وہ ۲۶۰ بلین ڈالر ادا کر رہے ہیں، جو ان کو ملنے والی معاشی امداد اور سرمایہ کاری سے کہیں زیادہ ہیں۔ ترقی یافتہ دنیا کی معیشت بلبلے کی شکل اختیار کر گئی ہے جو اچانک کسی وقت بھی پھٹ سکتا ہے۔ آج صرف مبادلہ خارجہ کی سندات (derivatives) کی یومیہ تجارت ایک ہزار بلین ڈالر سے زیادہ ہے جو اصل اشیا کی یومیہ عالمی تجارت سے ۳۰ گنا زیادہ ہے اور اس طرح محض کاغذی اثاثے assets اور سٹے کی تجارت (speculation) کے ذریعے دنیا کے مالیاتی نظام پر چند بنک اور سرمایہ کار چھا گئے ہیں اور جسے چاہیں چشم زدن میں دیوالیہ بنا سکتے ہیں۔ بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ مشہور سٹہ باز جارج سوروس (George Soros) بھی پکار اٹھا ہے:

> بین الاقوامی مالیاتی نظام منظم توڑ پھوڑ کا شکار ہے۔ صورت حال کو سنبھالنے کے لیے آئی ایم ایف کے پروگرام نتیجہ خیز نہیں ہوئے۔ (فنانشل ٹائمز، لندن، دسمبر ۳۱، ۱۹۹۷)

دوسرے الفاظ میں آج سرمایہ داری اور معاشی لبرلزم نئے عالمی پیغام کا عنوان بننے کی اہلیت کھو چکے ہیں۔

امریکہ کے اندرونی محاذ پر بھی غیر معمولی تبدیلیاں آئی ہیں۔ اس سال کی کساد بازاری کے بعد اب معیشت روبہ ترقی ہے لیکن یہ رو ابھی وقتی اور غیر مستحکم ہے اور جاپان اور مشرقی ایشیا کے حالات نے اسے متاثر کرنا شروع کر دیا ہے۔ بجٹ کا خسارہ ختم ہو رہا ہے مگر قرضوں پر سود کی شکل میں سالانہ ۲۸۰ بلین ڈالر کا بوجھ ہے۔ حکومت اور عام شہری قرض کے جال میں حسب سابق پھنسا ہوا ہے۔ یہ قرضے اب قومی دولت کا ۹۱ فی صد ہو گئے ہیں۔ اس سے بڑھ کر سماجی اور معاشرتی انتشار ہے۔ آبادی کی ترکیب (composition) مسلسل بدل رہی ہے۔ افریقی امریکن کل آبادی کا ۱۲ فی صد ہیں، ۶ فی صد ایشیائی ہیں، میکسیکو اور لاطینی امریکہ سے اتنے لوگ آ گئے ہیں کہ بستیوں کی بستیاں ہسپانوی زبان اور کلچر کا گہوارہ بن گئی ہیں اور ملک کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہا کہ کھل کر ایک کثیر لسانی، کثیر نسلی، کثیر مذہبی اور کثیر ثقافتی ملک کی حیثیت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوچے اور ترقی کرے۔ نسلی تفریق ' ساری قانونی اور اداراتی اصلاحات کے باوجود ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اس کے نتیجے میں مزاحمتی اور تصادم آمیز کیفیت رونما ہو رہی ہے۔ بڑی طاقتیں جس سماجی ارتباط اور اتصال (cohesion) کی بنا پر اندرونی تناؤ اور ٹکراؤ سے محفوظ رہی ہیں وہ اب باقی نہیں۔ جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے اور خاندان کا شیرازہ منتشر ہے۔ جذباتی ہیجان ' ذہنی امراض اور جنسی بیماریاں معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہی ہیں۔ جذباتی اور روحانی خلا ' ایمان کی کمی ' مشترک عزائم کا فقدان ' تہذیب و تمدن کے لیے خطرہ بن رہے ہیں۔ فوج کیل کانٹے سے لیس ہے مگر لڑنے کے جذبے اور قربانی کی دولت سے محروم ہے جس کا تجربہ ویت نام ہی نہیں ' لبنان اور حال ہی میں صومالیہ میں ہوا۔ اس کا نتیجہ ہے کہ انسان کے بجائے مشینی جنگ پر انحصار بڑھ رہا ہے۔ یہ اور متعلقہ حالات تصویر کا دوسرا رخ پیش کرتے ہیں جن کی روشنی میں امریکی معاشرے میں اسلامی دعوت کے کام کی اہمیت بالکل ایک دوسری نوعیت اختیار کر لیتی ہے۔

تاریخی اعتبار سے مسلمان کئی ادوار میں براعظم امریکہ میں آئے۔ پہلی اہم ترین لہر اسپین سے ابھری اور جنوبی و وسطی امریکہ تک پہنچی۔ پھر انیسویں صدی میں یورپ ' مشرق وسطیٰ اور وسطی ایشیا سے مسلمان اس سرزمین پر آئے لیکن ان دونوں لہروں کے اثرات بہت جلد کمزور بلکہ معدوم ہو گئے۔ پھر ایک لہروہ بھی تھی جس میں افریقہ کے مسلمانوں کو غلام بنا کر لایا گیا اور ان سے ان کی آزادی کے ساتھ ان کا دین ' ان کی زبان ' ان کی تہذیب ہر چیز چھین لی گئی۔ آج کے افریقی امریکی (Afro-Americans) اس دور کی پیداوار ہیں اور اب اپنی اصل (roots) کی تلاش میں ہیں۔ دوسری جنگ کے بعد اور خصوصیت سے گذشتہ تیس سال میں بڑی تعداد میں مسلمان دنیا کے گوشے گوشے سے امکانات کی اس سرزمین پر آئے۔ اس طرح تقریباً ۴۰ لاکھ مسلمان شمالی امریکہ میں مکین ہیں جو آبادی کا ۳ فی صد بنتے ہیں۔ اسلام اور مورمون مذہب دو تیزی سے پھیلنے والے مذاہب شمار کیے جاتے ہیں۔ ایک ہزار سے زیادہ مساجد آباد ہیں اور ہر علاقے میں مسلمانوں کے دینی ' تعلیمی ' رفاہی ادارے قائم ہو رہے ہیں۔ ملک میں بنیادی آزادیاں سب شہریوں کو حاصل ہیں۔ باہر سے آنے والے مسلمان بالعموم تعلیم یافتہ اور باہنر ہیں اس لیے سوسائٹی میں وہ ایک مقام حاصل کر رہے ہیں اور ان شاء اللہ آہستہ آہستہ ایک موثر قوت کی شکل اختیار کر لیں گے۔

شروع میں باہر سے آنے والے مسلمانوں کا خیال تھا کہ ان کا قیام عارضی ہے اور تعلیم یا ملازمت کی ایک مدت پوری کرنے کے بعد اپنے اپنے وطن کو لوٹ جائیں گے ' لیکن ان تیس برسوں میں جو جوہری فرق واقع ہوا ہے وہ یہ ہے کہ "مہاجرت" کی ذہنیت تقریباً ختم ہو گئی ہے اور یہاں آباد ہونے اور اس زمین کا حصہ بن کر اپنا کردار ادا کرنے کا تصور جڑ پکڑ گیا ہے۔ باہر سے آئے ہوئے مسلمان اور مقامی مسلمان ' دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مل کر ایک مضبوط مسلم کیمونٹی بننے کا داعیہ رکھتے ہیں۔ علیجاہ محمد کی بلیک مسلم تحریک کا ایک حصہ اب بھی کچھ تبدیلیوں کے ساتھ نیشن آف اسلام کے طور پر فرخان کی قیادت میں کام کر رہا ہے۔ لیکن ان کے بڑے بڑے گروہ یا افراد اپنے طور پر حقیقی اسلامی تعلیمات کا سراغ پا کر مسلمانوں کی سی زندگی بسر کرنے اور ایک الگ برادری وجود میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں یا بقیہ مسلم آبادی میں ضم ہو رہے ہیں اور اس طرح ایک اپنی شناخت رکھنے والی مسلم برادری وجود میں آ رہی ہے۔ اب اسلام امریکہ کی سرزمین پر کوئی باہر سے در آمد قوت نہیں بلکہ اس ملک کا ایک حصہ ہے۔ یہ بڑی اہم تبدیلی ہے جسے میں نے محسوس کیا ہے۔

'اسلام' اور 'مسلمان' کا رشتہ بڑا نازک ہے۔ بلاشبہ مسلمان وہ ہے جو اسلام کو قبول کرے' اپنی زندگی اللہ کی بندگی میں دے اور اسے ان مقاصد کے لیے وقف کر دے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کے مقاصد مقرر کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان اسلام کے تابع ہے' اسلام مسلمانوں کے تابع نہیں۔ جن مغربی مفکرین نے اسلام کی یہ تعریف کی ہے کہ اسلام وہ ہے جو کچھ مسلمان کریں' (جیسے ولفریڈ اسمتھ) انھوں نے بڑی ٹھوکر کھائی ہے۔ مسلمانوں کو اسلام کا نمونہ ہونا چاہیے اور معیاری اور مطلوبہ مسلمان وہی ہے جس کی زندگی اسلام کی عکاس اور آئینہ دار ہو۔ اسلام تو ایک معیار اور کسوٹی ہے۔ یہ اللہ کی ہدایت کا نام ہے۔ یہ وہ دین ہے جو تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا علیہم السلام کے ذریعے اور اپنی مکمل شکل میں اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بھیجا اور جو اپنی اصل شکل میں قرآن و سنت میں محفوظ ہے۔ مسلمان وہ ہیں جن کو یہ امانت سونپی گئی ہے کہ وہ خود بھی اس دین پر چلیں اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبے میں قائم کرنے کی جدوجہد کریں' اسے پوری انسانیت تک پہنچائیں اور شہادت حق کا فریضہ انجام دیں۔ اسلام کوئی نسلی مذہب نہیں ہے اور نہ اس پر مسلمانوں کی اجارہ داری ہے۔ خود قرآن نے کہا ہے کہ اگر تم اس دین کا حق ادا نہیں کرو گے تو ہم دوسروں کو اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے مامور کر دیں گے۔ کتنے ہی سرفراز ہیں جو پس پردہ چلے جائیں گے اور کتنے ہی پیچھے ہیں جو قیادت سے سرفراز کیے جائیں گے۔ بنی اسرائیل کو امانت میں خیانت کے جرم میں امامت سے معزول کیا گیا اور امت مسلمہ کو اس منصب پر فائز کیا گیا۔ خود مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ کس طرح مختلف علاقوں' قوموں اور نسلوں کو بلند و پست کیا جاتا رہا اور: ع

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانوں سے

جس طرح اللہ' رب المشرقین ورب المغربین ہے' رب العالمین ہے اور ہمارے قائد و رہنما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے لیے (للناس اجمعین) مبعوث کیے گئے اور تمام عالموں کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رحمت ہیں، اسی طرح یہ امت بھی کسی ایک علاقے اور جغرافیائی حصے کی اسیر نہیں۔ ساری زمین اللہ کی ملک اور حضور اکرمؐ کے ارشاد کے مطابق مالک کی مسجد کے مانند ہے اور مسلمان کا حق ہی نہیں اس پر فرض ہے کہ وہ زمین کے ہر ہر چپے تک اسلام کے پیغام کو پہنچائے اور وہاں اسلامی زندگی کے قیام کی کوشش کرے۔ اسلام کے اس پیغام اور اس تصور کو دور حاضر کی اسلامی تحریکات نے بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے اور الحمدللہ آج پوری دنیا میں مسلمان بڑی حد تک اس تصور کی علم برداری کر رہے ہیں۔

فقہا نے اپنے دور میں دارالاسلام، دارالحرب، دارالکفر اور دارالامن کی جو اصطلاحات وضع کی تھیں وہ مبنی برحق تھیں لیکن آج کے حالات میں، دنیا کے تمام ہی ممالک کے اقوام متحدہ کی رکنیت اختیار کرنے، ایک دوسرے کو قبول کرنے اور باہم سفارتی تعلقات اور تجارتی معاملات استوار کرنے، نقل و حرکت کے ضوابط میں اشتراک اور قانون کی بالادستی اور حقوق کی ضمانت کے باب میں خاص روایات قائم ہو جانے سے جو صورت پیدا ہوئی ہے، اس کو سامنے رکھ کر دعوت اسلامی کے مقاصد کے حصول کے لیے مناسب حکمت عملی کی تشکیل ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور عالم اور داعی علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے پوری دنیا کو دارالدعوۃ قرار دیا ہے۔ دور رسالت مآبؐ میں حبشہ کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا گیا وہ ہمارے لیے مثال ہے۔ بعد میں صحابہ کرامؓ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے مسلمان تاجر، داعی اور مبلغ دنیا کے گوشے گوشے میں گئے، اسلام کا پیغام پہنچایا، مسلمان بستیاں قائم کیں جو فروغ اسلام کی تحریک کا بیج بن گئیں۔ گجرات، موپلہ اور سری لنکا سے لے کر کینٹون اور شنگھائی تک مسلمان بستیاں وجود میں آئیں۔ اس تاریخی روایت کی روشنی میں امریکہ، یورپ اور دوسرے ممالک میں دعوت اسلامی کو منظم انداز میں پیش کرنے اور مسلم آبادیوں کو منظم اور مضبوط کرنے کے مسائل پر غور ہونا چاہیے۔

ایک اور نازک مسئلہ امت مسلمہ اور مغربی اقوام کے تعلق کا ہے۔

مغرب اور خود امریکہ کے ہاتھوں جو کچھ اسلامی دنیا پر گزرا ہے اور گزر رہا ہے وہ ایک حقیقت ہے اور اس کا مقابلہ مسلم عوام اور حکومتوں کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں ضروری ہے کہ امریکہ اور یورپی ممالک کی حکومتوں اور وہاں کے عوام میں فرق کو ملحوظ رکھا جائے۔ ہماری تنقید کا ہدف ان ممالک کی قیادتیں اور ان کی سامراجی اور ظالمانہ پالیسیاں ہیں۔ لیکن صاحب دعوت امت کی حیثیت سے ہماری ذمہ داری ہے کہ جس طرح اللہ کے رسولوں نے گمراہ قوموں سے برسرجنگ ہونے کے باوجود ان قوموں کے عوام الناس تک دعوت پہنچائی اور ان کو جہنم اور کفر کی آگ سے بچانے کی خدمت پوری دل سوزی اور ہمدردی سے انجام دی، اسی طرح ہم بھی عام انسانوں کو دشمن نہ سمجھیں بلکہ ان تک اپنا پیغام پہنچانے اور ان کی اور اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوسائٹی کی اصلاح کی کوشش کریں۔ یہ بڑا نازک کام ہے مگر دونوں کام اپنے اپنے طور پر صحیح خطوط پر انجام پانے چاہییں اور کسی ایک کو دوسرے پر قربان کر دینا صحیح نہیں ہو گا۔ دعوت دین تو ہمیں ظالم اور جابر حکمرانوں تک بھی پہنچانی ہے، لیکن حکمرانوں کے ظلم کی وجہ سے عوام سے کٹ جانے یا ان کو متاثر کرنے اور اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش نہ کرنا بہت بڑی غلطی ہو گی۔ یہ کام تو مسلمانوں کو ہر حال میں کرنا چاہیے۔ ایک جمہوری معاشرے میں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس طرح ہم عوام میں اپنے ہم نوا پیدا کر سکتے ہیں اور خود حکومتی پالیسیوں کو متاثر کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان انصاف کے علم بردار بنیں، معاشرے کے مظلوم انسانوں کا سہارا بنیں، ظلم و عدوان جہاں بھی ہو اور جس شکل میں ہو، ہم اس کے خلاف نبرد آزما ہوں، سوسائٹی کے اصل اخلاقی، معاشی، سیاسی، تہذیبی مسائل کو سمجھیں اور لے کر اٹھیں۔ لوگ ہمیں صرف واعظ ہی کی صورت میں نہ دیکھیں بلکہ ہم مظلوم کی زبان بن جائیں، کمزوروں کے لیے سہارا بنیں اور ان کو تقویت دینے کا باعث ہوں تاکہ سب مل کر نیکی اور انصاف کو پروان چڑھا سکیں۔

اگر ہم دشمن کے ساتھ بھی انصاف کا معاملہ کرنے والے بن جائیں تو دشمن بہت جلد ہمارا حلقہ بگوش ہو سکتا ہے۔ ہم صرف مسلمانوں کے حقوق کے علم بردار نہ بنیں بلکہ ہمیں تو تمام انسانوں کے لیے حق و انصاف کی علامت ہونا چاہیے۔ اسی وقت وہ تبدیلی آسکے گی جو ایک طرف تعصب اور جہالت کے پردوں کو چاک کر دے تو دوسری طرف مخالف کے دلوں کو مسخر کر لے۔ مکی دور کا یہ واقعہ ہمارے لیے ایک راہ نما مثال کی حیثیت رکھتا ہے کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ ابوجہل نے اس سے دو قیمتی اونٹ خریدے ہیں مگر ہر طرح کوشش کے باوجود اس کو رقم ادا نہیں کر رہا۔ حضورؐ اس شخص کے ساتھ ابوجہل کے گھر پر آئے، دروازہ کھٹکھٹایا اور جب ابوجہل نکلا اور آپؐ کو دروازے پر دیکھا تو ہکا بکا رہ گیا۔ آپؐ نے کہا کہ کیا تم نے اس سے اونٹ خریدے ہیں اور جب جواب اثبات میں ملا تو فرمایا کہ پھر اس کے پیسے کیوں ادا نہیں کرتے، اس کا حق اس کو دو! ابوجہل خاموشی سے گھر میں گیا اور قیمت ادا کر دی۔

امریکہ ہی نہیں، ساری دنیا کے مسلمانوں کو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پہلو سے روشنی حاصل کرنا چاہیے۔

امت مسلمہ کی وحدت اسلام کا عظیم عطیہ ہے۔ قومی ریاست کے اس دور میں قومی اور جغرافیائی حد بندیوں کو یکسر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا، لیکن ان کا اسیر بن جانا بھی بہت بڑا سانحہ ہو گا۔ مسلمانوں کو اعتدال کی راہ اختیار کرنا ہے۔ وہ جہاں بھی ہوں ان کے لیے ضروری ہے کہ ایک طرف وہ اس ملک، اس قوم اور وہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مسلمانوں اور تمام انسانوں کے حقوق ادا کریں اور دعوت اسلامی کو اپنی زندگیوں کا مرکز و محور بنائیں تو دوسری طرف امت مسلمہ سے اپنا رشتہ اور تعلق استوار رکھیں۔ وہ اپنی تہذیبی جڑوں کو نہ بھولیں اور امت کے مسائل اور مشکلات کو اپنے مسائل اور مشکلات سمجھیں اور ان مسائل کے حل اور مشکلات کو رفع کرنے کے لیے مقدور بھر کوشش کریں۔ دونوں پہلوؤں کا ادراک اور ان کے لیے مناسب اقدام کے ذریعے ہی ہم اپنی ذمہ داریاں ادا کر سکتے ہیں۔ ہر جگہ کے مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ وہ جہاں ہیں ان کے لیے اولیں میدان کار وہی علاقہ ہے اور وہاں ان کو شہادت حق اور اقامت دین کی ذمہ داری ادا کرنے کے لیے موثر کوشش کرنے اور مضبوط ادارے قائم کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں چار امور بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

اول : اپنی اصلاح : اپنے اخلاقی' دینی' اور تہذیبی تشخص کی حفاظت اور اپنی اصلاح کی فکر کرنا۔ اسلامی عمارت کا سب سے بنیادی پتھر' فرد ہے۔ مسلمان مرد ہو یا عورت' بچہ ہو یا بوڑھا' اگر اچھے انسان اور اسلام کا اچھا نمونہ بن سکے تو اسلام دعوت اور ہماری دوسری تمام دینی و اجتماعی سرگرمیاں بار آور ہوں گی۔ اس لیے دعوت کے اہداف میں سب سے پہلا ہدف اچھا انسان اور اچھا مسلمان بننا اور بنانا ہے۔

دوم : مسلم خاندان : خاندان کے نظام کو آج ساری دنیا ہی میں شدید چیلنج درپیش ہیں' لیکن امریکہ اور یورپ میں تو بڑی منظم اجتماعی تحریکیں خاندان کے ادارے کو تباہ کرنے میں مصروف ہیں اور اس جنگ کو بڑے سائنسی انداز میں' غیر محدود وسائل کے بل بوتے پر لڑ رہی ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تہذیب و تمدن کا مستقبل آج داؤ پر لگا ہوا ہے۔ اگر کسی قوم میں خاندان کا نظام تباہ ہو جاتا ہے تو پھر کوئی چیز اس قوم کو تباہی سے نہیں بچا سکتی۔ مسلم خاندان کی حفاظت اور اس کی ترقی امریکہ میں خاص طور پر بڑا اہم ہدف ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ خاندان کے نظام کو ان اصولوں پر منظم و مرتب کیا جائے جو قرآن و سنت میں مرقوم ہیں۔ رواج اور عرف میں بہت سی چیزیں صحیح اور ضروری ہیں لیکن بہت سی چیزیں علاقائی یا تاریخی اثرات کے تحت ایسی بھی داخل ہو گئی ہیں جو حق پر مبنی نہیں۔ اسلام نے خاندان کے نظام کو جو مرکزی اہمیت دی ہے اور اسے جس عمومی تقسیم کار پر قائم کیا ہے' اسے افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اسلامی احکام اور ان کی روح کے مطابق ترقی دینے کی ضرورت ہے۔ اس نظام کو شوریٰ کے اسلامی اصولوں کے مطابق چلنا چاہیے۔ حقوق و فرائض میں جو توازن اسلام نے قائم کیا ہے اسے پورے طور پر ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ ایمان' اخلاق' تعلیم اور اچھی مثال وہ ستون ہیں جن پر یہ نظام قائم ہوتا ہے۔ اپنے اور اپنے اہل و اولاد کو جہنم کے عذاب سے بچانا ہماری ذمہ داری ہے' قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم ۶۶:۶) گھر کو اہمیت دینا' اہل خاندان کو وقت دینا' صرف نان و نفقہ ہی نہیں ان کی تعلیم و تربیت کی فکر کرنا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مل جل کر ایک ایسا گھرانا تشکیل دینا چاہیے جہاں معاملات قرآن و سنت کی ہدایات کے مطابق انجام دیے جائیں اور جس کا ہدف اسلامی نمونے کے مطابق ہر ہر ملک کے حالات کے مطابق اپنا کردار ادا کرنا ہو۔ بلاشبہ اس میں ماں کا کردار بڑا ضروری ہے لیکن ماں اور باپ، بزرگ اور جوان ہر ایک کو اپنا رول صحیح صحیح ادا کرنا چاہیے۔ ورنہ ہم بھی ان تباہیوں سے نہ بچ سکیں گے جو فطرت سے انحراف کا لازمی نتیجہ ہیں۔

سوم : مسلم کمیونٹی کا قیام : اسلام جہاں انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ انفرادی جدوجہد کی تلقین کرتا ہے وہیں جماعت کے قیام اور اجتماعی اور منظم جدوجہد کو بھی اسلامی زندگی کا لازمی حصہ بلکہ امتیازی تشخص قرار دیتا ہے۔ اسلام پر مبنی اجتماعی زندگی کے بغیر مسلمان امت کا کوئی وجود نہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ امربالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے اجتماعی جدوجہد ہو اور اس کے لیے ایسے ادارے قائم کیے جائیں جن کے ذریعے سوسائٹی مستحکم ہوتی ہے۔ مسجد، مدرسہ، وقف، خدمت خلق کے ادارے، دعوت و تبلیغ کا نظام، اجتماعی کفالت کے ادارے، تعلیم، ہنرمندی (skills) اور تحقیق کا اہتمام۔ بچوں، مردوں اور عورتوں کے لیے جسمانی، ذہنی اور اخلاقی تربیت کا مناسب انتظام، نشرواشاعت کا فروغ، کھیل و تفریح، معاشی سرگرمیوں اور اداروں کا اہتمام، ثالثی اور قضا، قانون کی بالادستی اور آخر کار ایسا انتظام کہ ریاست کی قوت قاہرہ اسلام کے تابع ہو سکے۔ ان میں سے جو جو ادارے جہاں کہیں قائم ہو سکتے ہیں ان کی فکر کرنا اور شوریٰ کی بنیاد پر مسلم معاشرے کو مربوط و متحد کرنا اسلامی زندگی کے فروغ کے لیے ضروری اور مطلوب ہے۔

چہارم : امت مسلمہ سے ربط و تعلق : مختلف کمیونٹیز میں تعاون، مختلف علاقوں اور ممالک میں رابطہ، عالمی اداروں کا قیام اور ان سے تعاون، امت کے مسائل اور معاملات کا فہم و ادراک اور ان کے حل کے لیے مناسب تعاون، عالمی سطح پر اسلامی احیا اور قیام دین کی جو جدوجہد ہو رہی ہے اس کو تقویت پہنچانے کی کوشش۔

مسلمان دنیا میں جہاں بھی ہوں، انھیں اس فریم ورک میں اپنے اہداف اور ترجیحات متعین کرنے چاہییں اور جو کچھ قابل حصول ہو اس کے لیے کوشاں اور سرگرم عمل اور جو ابھی قابل حصول محسوس نہ ہو، اس کے لیے متفکر اور سرگرداں رہنا چاہیے۔

امریکہ کے مسلمانوں اور ان کی تنظیموں کی قیادت کو ہم خاص طور پر اس طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ انھیں اسلام کی ابدی تعلیم اور مسلمانوں کی شاندار روایات کی روشنی میں اپنے حالات کے مطابق لائحہ عمل تیار کرنا چاہیے۔ جو چیزیں منصوص ہیں ان کے بارے میں کسی سمجھوتے کا سوال نہیں۔ ان پر ہماری دنیا اور آخرت کا انحصار ہے اور ان کے ذریعے ہمارا جداگانہ تشخص قائم ہے لیکن اس کے ساتھ چند باتوں کا اہتمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضروری ہے۔

۱- ایسی آبادیوں میں جہاں مسلمان دنیا کے مختلف علاقوں سے آئے ہیں اور اپنے ساتھ اپنے اپنے علاقے کی روایات اور رسوم اور مسائل اور الجھنیں لائے ہیں، اصولی اور اہم اور فروعی اور جزوی میں فرق بہت ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تحمل، بردباری اور ایک دوسرے کے لیے دل ہی میں نہیں تنظیم اور معاشرت میں بھی جگہ بنانا بہت ضروری ہے۔ امریکہ میں مقامی مسلمانوں اور خصوصیت سے افریقی امریکی مسلمانوں کی قابل ذکر موجودگی کی وجہ سے ان کو ساتھ لے کر چلنے، انھیں عزت اور محبت کا مقام دینے، ان کی روایات اور مشکلات کا احساس کرنے، ہمدردی اور حکمت کے ساتھ مل جل کر رہنے اور نئے ادارے فروغ دینے کا کام ضروری ہے۔ مسلمانوں کو چھوٹے چھوٹے جزیروں میں نہیں بٹ جانا چاہیے۔ الگ جزیرے ہوں تو ان میں باہمی ربط و ارتباط کے ذریعے رشتے استوار کرنا اور اس طرح اتحاد اور وسعت اختیار کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم ایک ہم مزاج (homogenous) برادری کی تصویر نہیں بن سکتے تو اسلام کے عالمی پیغام کو کیسے پیش کر سکیں گے۔ دین اور رسم و رواج کا فرق اور مسلم معاشرے کے تنوع کے درمیان وحدت اور یکسانی کی تلاش اور قیام بڑے اہم چیلنج ہیں۔

۲- خواتین کا رول بھی اہم مسئلہ ہے۔ آج کی دنیا میں محض یہ مثالیں دینا کافی نہیں کہ اسلام نے عورتوں کو زندہ دفن کرنے کو حرام قرار دیا اور انھیں عزت کا مقام دیا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ شریعت کی حدود کا احترام کرتے ہوئے مسلمان مرد اور عورت دونوں خاندان کے ادارے کے تحفظ اور معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرنے کا کام انجام دیں۔ گھروں میں مشاورت کا نظام قائم کیا جائے۔ عورتوں کی اسلامی ہی نہیں عمومی تعلیم کا اہتمام ہو اور دنیا کے سامنے حجاب کی حدود میں رہتے ہوئے ایک مثالی خاندان اور مثالی معاشرے کی تصویر پیش کی جائے تاکہ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (المائدہ ۵:۵۱) کو عملی شکل میں دیکھا جا سکے۔

۳- بچوں کی تعلیم و تربیت خصوصی توجہ چاہتی ہے۔ اس کا آغاز بالکل فطری طور پر گھر اور خاندان کے ماحول میں ہونا چاہیے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلامی اسکولوں اور کالجوں کا قیام اور اسلامی خطوط پر مسلمان بچوں اور بچیوں اور نوجوانوں کے لیے مناسب اور موثر تنظیموں کا قیام ضروری جو دینی تعلیم و تربیت کا کام بھی انجام دیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی عمر، ذوق اور ضرورت کے مطابق انھیں مختلف النوع سرگرمیوں کے بھرپور مواقع فراہم کریں۔ الحمدللہ نوجوانوں کی تنظیموں کی تو فکر کی جا رہی ہے لیکن چھوٹے بچوں خصوصیت سے ۸-۹ سال سے لے کر ۱۲-۱۳ سال تک کے بچوں اور بچیوں کے لیے مناسب ادارے موجود نہیں۔ ان کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴- مسلمانوں کو تعلیم و تحقیق کے میدان میں دوسروں سے بڑھ کر حصہ لینے کی ضرورت ہے تاکہ کل کی مسلم برادری بہترین صلاحیتوں سے آراستہ ہو اور جاندار قیادت وجود میں آسکے۔ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمانوں کی مستقبل کی مذہبی قیادت' امریکہ اور اسی طرح یورپ اور دوسرے ممالک میں وہیں کے لوگوں میں سے رونما ہو۔ اس کے لیے ٹھوس دینی تعلیم اور جدید ذرائع ابلاغ و دعوت کی تعلیم ضروری ہے۔ علاقائی یا ملکی سطح پر ایسے اداروں کا قیام وقت کی ضرورت ہے۔

۵- امریکہ میں نئے اسلامی لٹریچر کی تیاری اور اس کے لیے کام کرنے والے اداروں اور افراد کی تیاری اہم کام ہے۔ الحمدللہ اس مرتبہ بچوں کے لیے نیا لٹریچر میرے علم میں آیا۔ نیز اس معاشرے سے متعلق موضوعات پر بھی نئی کتب اور نئے سمعی و بصری لوازمے آنا شروع ہو گئے ہیں۔ لیکن ابھی یہ ضرورت کا ۱۰ فی صد بھی پورا نہیں کر رہے۔ دوسرے علاقوں میں تیار کردہ لٹریچر کی افادیت ہے مگر صرف ایک حد تک۔ اس کی بھی ضرورت ہے کہ موجود لٹریچر کو از سر نو مدون کر کے پیش کیا جائے۔ اصل ضرورت نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی اور نئے لٹریچر اور جدید ٹیکنالوجی پر مبنی لوازمے کی فراہمی کی ہے۔ ان سب کاموں کے لیے سب تنظیموں کو ملا کر منصوبے بنانے چاہییں اور کام کو باہم تقسیم کر کے وقت کی ضرورت کو پورا کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ امریکہ جیسی بڑی مارکیٹ کے لیے مناسب مارکیٹنگ اداروں کا قیام ازبس ضروری ہے۔

۶- مسلم برادری کو حرام سے بچانے' حلال کو فروغ دینے اور معاشی خود انحصاری پیدا کرنے کے لیے نئے اداروں کا قیام اور باہمی تعاون سے مسلمانوں کے تجارتی نیٹ ورک کا قیام ضروری ہے۔ اس سلسلے میں افریقی امریکی مسلمانوں کے مسائل بہت گمبھیر ہیں۔ جیلوں میں قبول اسلام کی تحریک الحمدللہ بہت قوی ہے' لیکن جیلوں سے باہر آنے کے بعد ان نومسلموں کو معاشرے میں سمونے اور معاشی اعتبار سے اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے مناسب انتظامات کی شدید کمی ہے۔ اس طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے۔

۷- مسلم میڈیا کی ترقی وقت کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے مسلمانوں کا اپنا میڈیا بھی ضروری ہے اور قومی میڈیا میں مسلمانوں کا نفوذ بھی۔ امریکہ میں انٹرنیٹ پر چلنے والے اسلامی پروگرام میں نے دیکھے' اس سے بے حد مسرت ہوئی۔ لیکن ضرورت تو ہر میدان میں مسلمانوں کے موثر وجود کی ہے اور یہ ممکن بھی ہے بشرطیکہ منظم انداز میں اس کی فکر کی جائے اور نوجوانوں کو کیریر پلاننگ میں مدد دی جائے اور برادری کی ضرورت کے مطابق وہ اپنی ترجیحات مقرر کریں۔

۸- مقامی آبادی میں کام کرنے' سوسائٹی کے ہر طبقے سے روابط رکھنے اور انھیں صرف تبلیغ ہی نہیں بلکہ اپنی مثال اور مسلم اداروں اور تنظیموں کے کاموں میں شریک کر کے اسلام اور مسلمانوں کے قریب لانے کی ضرورت ہے۔ اسلام میں کوئی مشنری طبقہ نہیں اور نہ ہی عیسائیت کی طرح کوئی مذہبی اسٹیبلشمنٹ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے محلے، دفتر اور فیکٹری میں، اپنے اسکول، کالج اور یونی ورسٹی میں، غرض وہ جہاں بھی کام کر رہا ہے اپنے قول و عمل سے دعوت دین کا کام کرے اور دوسروں میں دلچسپی لے، ان کی ہمدردی حاصل کرے، ان کی مشکلات میں مدد کرے اور مشترک مفاد کو بنیاد بنا کر انھیں اپنے اور اپنے دین سے قریب لائے۔ سوسائٹی کے مشترک اجتماعی مسائل کو اٹھائے اور بتائے کہ اسلام کے ذریعے کس طرح فرد کی روحانی اور اخلاقی زندگی اور معاشرے کی اجتماعی زندگی بلکہ پوری دنیا کا نظام بہتر بن سکتا ہے۔ آج امریکی معاشرے کے پاس خود اپنے افراد کو یا عالمی سطح پر عام انسانوں کو دینے کے لیے کوئی پیغام، کوئی مثال، کوئی نمونہ نہیں ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اسلام کو وہ پیغام، وہ مثال اور وہ نمونہ بنانے کی کوشش کریں۔

۹- ملک کی اجتماعی زندگی، ملکی اور بین الاقوامی معاملات پر ملک اور اس کی قیادت کی پالیسیاں بھی ہماری دلچسپی کا مرکز ہونا چاہییں۔ جمہوری معاشرے میں ان کو متاثر کرنے کے واضح طریقے ہیں۔ ان طریقوں اور راستوں کو دوسرے کے لیے چھوڑ دینا کوئی عقل مندی نہیں۔ مسلم امت کے مسائل کے بارے میں بھی ہمدردانہ رویہ پیدا کرنا اور اصل حقائق کو دلائل کے ساتھ پیش کرنا بڑا اہم میدان کار ہے۔ امریکہ اور اس کے عوام اور ملت اسلامیہ کے درمیان بہت سے معاملات پر اشتراک مفاد ہے۔ اگر ایک چھوٹا سا مخصوص گروہ امریکہ کو ناک سے پکڑ کر اپنے مفاد کے لیے استعمال کر سکتا ہے تو کیا دنیا بھر کے مسلمانوں سے دوستی امریکہ کے مفاد میں نہیں؟ امریکہ میں ہی نہیں، تمام مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمان، ان ممالک اور مسلم امت کے درمیان پل کا کام دے سکتے ہیں اور دنیا سے تصادم اور ظلم کو کم کرنے اور تعاون اور مل جل کر رہنے کی راہیں ہموار کرنے میں ایک موثر اور اہم کردار ادا کر سکتے ہیں، بہ قول علامہ اقبال :-

وقتِ فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

© rasailojaraid.com